35

دعا کرو کہ خدا تعالیٰ تیسری جنگ کی نوبت نہ آنے دے

(فرمودہ 6/ اکتوبر 1944ء بمقام ڈلہوزی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"مَیں نے گزشتہ دو خطبوں میں اِس بات کا ذکر کیا تھا کہ جنگ اپنے اختتام کی طرف آ رہی ہے۔ مگر اس کے معنی صرف اِتنے ہی ہیں کہ توپوں اور بموں کی جنگ اختتام کی طرف آ رہی ہے۔ لیکن اصلی جنگ کے خاتمہ میں ابھی بہت دیر ہے۔ لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ جنگ توپیں چلنے اور بم پھینکنے کا نام ہے حالانکہ اصل جنگ نام ہے اُن عداوتوں اور اُن تنافروں اور اُن حسدوں اور اُن بغضوں اور اُن کینوں کا جو قوموں کو آپس میں مل کر بیٹھنے نہیں دیتے۔ توپ اور بم یا ایسے ملکوں میں جہاں توپیں اور بم نہیں ہوتے وہاں لاٹھیاں اور سونٹے اور پتھر وغیرہ یہ بیماری کی علامتیں ہیں اصلی بیماری نہیں ہیں۔ جس طرح انسانی جسم میں کچھ بیماریاں ہوتی ہیں اور کچھ بیماریوں کی علامتیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہ چیزیں خود اپنی ذات میں بیماری نہیں بلکہ بیماری کی علامتیں اور اس کو پہچاننے کے نشانات ہیں۔ ایک شخص کو درد ہو رہا ہوتا ہے

اور اُس درد کی وجہ سے وہ کراہ رہا ہوتا ہے۔ اسے کسی پہلو قرار نہیں آتا۔ وہ بار بار کروٹیں بدلتا اور شدتِ درد کی وجہ سے چیخ رہا ہوتا ہے۔ اگر اُسے دیکھ کر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ اُس کی اصل بیماری یہ درد ہی ہے تو وہ غلطی کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہ درد اصل بیماری نہیں بلکہ درد کسی جگہ خون کے اجتماع کا نام ہے یا اعصاب پر بوجھ پڑ جانے کا نام ہے یا قوتِ جسمانی کا نظام بِگڑ کر اعصاب کو کسی تکلیف کے پہنچ جانے کا نام ہے۔ اور درد ایک علامت ہے جو کسی ایسی بیماری پر دلالت کرتی ہے جو درد کے پیچھے موجود ہوتی ہے۔ جب تک اصل بیماری دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے گی محض درد کو فرو کرنے کی کوشش بالکل عبث اور فضول ہوگی۔ مثلاً اگر کسی شخص کے پیٹ میں کوئی سُدّہ پھنس گیا ہے اور اِس وجہ سے اُسے درد ہو رہا ہے تو اُس وقت اصل بیماری درد کو نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اصل بیماری یہ ہوگی کہ سُدّہ پھنسا ہوا ہے۔ ایسی حالت میں اُس درد کا صحیح ترین علاج سوائے اِس کے اَور کچھ نہیں ہوگا کہ اُس سُدّہ کو نکالنے کی کوشش کی جائے۔ جب تک اُس سُدّہ کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی اُس وقت تک خواہ کسی اَور طریق سے درد کو دبانے کی کوشش کی جائے بیماری کا مادہ جسم میں موجود رہے گا۔ پھر وہ عارضی سبب کے دور ہونے پر نمودار ہو جائے گا۔ اِسی طرح جب انسانوں میں تنافر اور تباغض اور کینہ اور غصہ اور جوش پیدا ہو گیا ہو تو جب تک طبیعتوں میں یہ بُغض اور کینہ اور حسد اور ایک دوسرے کے خلاف غیظ و غضب کا مادہ موجود رہے گا اُس وقت تک جنگ کا امکان بہرصورت رہے گا۔ اور اگر جنگ کو کسی نہ کسی طرح دبا دیا گیا تب بھی بیماری کا اصل مادہ موجود رہے گا اور اس کے متعلق ہر وقت یہ خطرہ ہوگا کہ عارضی روکوں کے دور ہونے پر پھر پُھوٹ کر ظاہر ہو جائے اور دنیا کو پھر تباہی اور بربادی کے گڑھے میں دھکیل دے۔ پس جب تک اِس جنگ کی بنیادی وجوہ کو دور نہیں کیا جاتا، جب تک اُس بُغض اور کینہ اور غصہ کو دور نہیں کیا جاتا جو اندر ہی اندر قوموں کے دلوں میں پایا جاتا ہے اُس وقت تک ہتھیار چھین کر یا دباؤ ڈال کر جنگ کو بند کرا دینا محض بیماری کی ایک علامت کو دبانا ہوگا اور یہ ایسا ہی ہوگا جیسے شدتِ درد سے تڑپنے والے مریض کو افیون کِھلا دی جائے۔ اگر ہم کسی ملک پر غلبہ حاصل کر کے اُسے دبا لیتے ہیں، اُس کی توپیں چھین لیتے ہیں، اُس کے بم چھین لیتے ہیں، اُس کے ہوائی جہاز

چھین لیتے ہیں، اُس کی تلواریں چھین لیتے ہیں، اُس کی مشین گنیں چھین لیتے ہیں، اُس کی فیکٹریاں چھین لیتے ہیں، اُس کی تجارت پر قبضہ کر لیتے ہیں، اُس کی صنعت و حرفت کو برباد کر دیتے ہیں اور یہ خیال کر لیتے ہیں کہ ہم نے جنگ کے امکانات کا کُلّی طور پر انسداد کر دیا ہے تو ہم ایسا ہی کرتے ہیں جیسے ڈاکٹر مریض کو افیون کھلا کر اُس کی بیماری کو دبا دیتا ہے یا اُس کی بے چینی کو عارضی طور پر کم کر دیتا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہو گا کہ مریض کو آرام آ گیا ہے لیکن جب افیون کا اثر کم ہو گا، جب عارضی علاج کے اثرات جاتے رہیں گے تو اُس کی بیماری پھر عَود کر آئے گی اور یا پھر اسی افیون کے نشہ میں بیمار مر جائے گا۔ اِسی طرح اگر اِس جنگ کے اختتام پر صرف یہ کیا گیا کہ مغلوب قوموں سے ہتھیار لے لیے گئے، اُن کے حقوق کو تلف کر دیا گیا اور اُن کے ساتھ ذلت اور ناانصافی کا سلوک روا رکھا گیا تو یہ صرف ایک علامت کا دبانا ہو گا بیماری موجود رہے گی اور وہ پھر کسی نہ کسی صورت میں دنیا میں ظاہر ہو کر رہے گی۔ یہی بات دیکھ لو کیا ہندوستان سے انگریزوں نے ہتھیار نہیں لے لیے تھے؟ مگر کیا دنیا کا کوئی شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ انگلستان اور ہندوستان میں جنگ نہیں ہو رہی؟ وہ ہزاروں ہزار آدمی جو کانگرسی یا انارکسٹ ہیں جو انگریزوں کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات اپنے دلوں میں رکھتے ہیں، جو انگریزوں کی حکومت کو ایک لمحہ کے لیے بھی پسند نہیں کرتے گو اُن کے پاس تلواریں نہیں ہیں، گو اُن کے پاس بندوقیں نہیں ہیں، گو اُن کے پاس توپیں نہیں ہیں، گو اُن کے پاس بم نہیں ہیں، گو اُن کے پاس ہوائی جہاز نہیں ہیں مگر اُن کی لڑائی انگریزوں سے برابر جاری ہے۔ اُن کے دل کا ہر وہ خیال جو انگریزوں کے خلاف پیدا ہوتا ہے، اُن کی زبان کا ہر وہ لفظ جو انگریزوں کے خلاف نکلتا ہے تلوار اور بندوق اور توپ اور بم کا ہی قائم مقام ہوتا ہے۔ صرف بیچارگی کی وجہ سے، صرف بیکسی کی وجہ سے، صرف کمزوری کی وجہ سے ہوائی جہازوں کی جگہ اُن کے خیال نے لے لی اور بموں کی جگہ اُن کی زبان نے لے لی ورنہ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُن کی انگریزوں سے لڑائی جاری ہے۔ اور یہ خیال کر لینا کہ چونکہ انگریزوں نے ہندوستان سے ہتھیار لے لیے ہیں اِس لیے یہ لڑائی بند ہو چکی ہے نادانی اور حماقت ہے۔ وہ ہال جن میں کھڑے ہو کر وہ تقریریں کرتے ہیں اور وہ چوک جن میں انگریزوں کے خلاف وہ اپنے خیالات

کا اظہار کرتے ہیں وہی میدان جنگ ہیں۔ صرف مجبوری اور بیکسی کی وجہ سے میدانِ جنگ نے ہالوں اور چوکوں کی صورت اختیار کی ہوئی ہے۔ ورنہ اگر یہ مجبوری اور بیکسی نہ ہوتی اور یہ لوگ باقاعدہ میدانِ جنگ میں نکلنے کی طاقت رکھتے تو یہ بھی اُسی طرح انگریزوں سے لڑتے جس طرح اَور قومیں آپس میں برسرِپیکار ہو رہی ہیں۔ پس صرف توپوں اور بموں کا کسی قوم سے چھین لینا قیامِ امن کے لیے کافی نہیں ہوتا بلکہ اُن اسباب کو دُور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو لڑائی کی محرک ہوتی ہیں۔ اگر موجودہ جنگ کے نتیجہ میں بھی بعض قوموں سے بم چھین لیے گئے، توپیں چھین لی گئیں، ہوائی جہاز چھین لیے گئے تو اِس کے یہ معنے نہیں ہوں گے کہ لڑائی بند ہوگئی بلکہ اِس کے معنے صرف یہ ہوں گے کہ لڑائی کی ایک علامت کو دبا دیا گیا ہے ورنہ لڑائی کا مادہ موجود رہے گا اور خطرہ ہے کہ کسی دوسرے وقت زیادہ شدّت سے نمودار ہوجائے۔ کیونکہ لڑائی تلوار کے استعمال کا نام نہیں، لڑائی توپیں چلانے کا نام نہیں، لڑائی بم گرانے کا نام نہیں، لڑائی ہوائی جہازوں کو استعمال کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ علامتیں ہیں لڑائی کی۔ اِس لیے اگر صرف ان علامتوں کو دبا دیا گیا اور لڑائی کے اصل سبب کو قائم رہنے دیا گیا تو وہی قومیں جن کو آج ذلیل سمجھا جاتا ہے پھر اپنے بُغض اور کینہ کو نکالنے کے لیے ایک اَور جنگ کی آگ بھڑکا دیں گی۔ یہ خیال کر لینا کہ جو قومیں آج مغلوب ہوں گی وہ ہمیشہ دنیا میں مغلوب ہی رہیں گے نادانی ہے۔ قوموں کا عروج اور زوال ایک دَوری کیفیت رکھتا ہے اور جو قوم آج غالب ہوتی ہے وہ کل مغلوب نظر آتی ہے۔ اور جو آج مغلوب ہوتی ہے وہ کل غالب نظر آتی ہے۔ آج سے چھ سات سو سال پہلے کون شخص یہ خیال کر سکتا تھا کہ انگریزوں کو کسی زمانہ میں بہت بڑی طاقت حاصل ہوجائے گی۔ یا آج سے چھ سات سو سال پہلے کون شخص خیال کر سکتا تھا کہ امریکہ کسی زمانہ میں بہت بڑی طاقت شمار ہوگی۔ یا آج سے بیس سال پہلے کون یہ خیال بھی کر سکتا تھا کہ روس دنیا کی ایک مضبوط طاقت بننے والا ہے۔ وہ ایک راندہ ہوا اور مردود ملک تھا۔ ساری قوموں نے اِس کو ذلیل سمجھا ہوا تھا اور وہ وہاں تک سامان بھی نہیں پہنچنے دیتے تھے مگر آج روس دنیا کی بہت بڑی طاقت سمجھا جاتا ہے۔ پس یہ خیال کر لینا کہ جو قومیں اِس جنگ میں گر جائیں گی وہ آئندہ کبھی ترقی نہیں کریں گی اور ان کے حقوق کا فیصلہ صرف

فاتح اقوام کے ہاتھوں میں ہی رہے گا نادانی اور جہالت کی بات ہے۔ طاقتور قومیں مغلوب ہوتی چلی آئی ہیں اور مغلوب قومیں طاقتور بنتی چلی آئی ہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ثبوت تاریخ کے اوراق میں موجود ہے۔

پس دنیا میں امن کے قیام کے لیے سامانِ جنگ کا چھین لینا یا مغلوب قوموں کو ان کے ابتدائی انسانی حقوق سے بھی محروم کر دینا قطعاً کوئی علاج نہیں ہے۔ یہ صرف بیماری کی علامتوں کو دبانا ہے اور بیماری کی علامتوں کو دبانا مگر اصل بیماری کا علاج نہ کرنا انسان کو ہرگز شفاء نہیں دے سکتا۔ اِسی طرح دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک اُس بُغض اور اُس حسد کو دور نہ کیا جائے جو تمام فتنہ و فساد کی جڑ ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے آتشِ جنگ کے شرارے دنیا کے امن کو راکھ کر دیتے ہیں۔ پس دنیا میں امن کے قیام کے لیے نفوس کی اصلاح کی ضرورت ہے، اس بات کی ضرورت ہے کہ بُغضوں اور کینوں کو دور کیا جائے اور دلوں میں محبت اور پیار پیدا کیا جائے۔ مذہبی لَا اُبَالِیْ بھی آپس کے بُغض اور کینہ سے پیدا ہوتی ہے اور دنیوی لڑائیاں بھی آپس کے بُغض اور کینہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ مگر لوگ غلطی سے اُن سامانوں کو تو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو محض بیماری کی علامتیں ہوتی ہیں مگر اصل اندرونی اسباب کو دور کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ ہمارے ملک میں بھی مذہبی لڑائیوں کے پیدا ہونے پر بِالعموم لوگ اسی قسم کے علاج سے کام لیا کرتے ہیں جو عارضی تسکین کا موجب ہوتا ہے۔ مگر حقیقی اور صحیح علاج کی طرف ان کی نظر نہیں اٹھتی۔

جب عیسائیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف ایک نہایت ہی گندی کتاب "امہاتُ الْمومنین" نکلی تو مسلمانوں نے بڑا زور اِس بات پر دیا کہ گورنمنٹ کو چاہیے اس کتاب کو ضبط کرائے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا کہ اِس کتاب کو ضبط کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ "اُمہاتُ الْمومنین" کی تصنیف تو نتیجہ ہے اُس بُغض اور اُس کینہ کا جو عیسائیوں وغیرہ کے دلوں میں اسلام کے خلاف پایا جاتا ہے۔ وہ ایک آہ ہے جو اُن کے سینوں سے بلند ہوئی ہے اور وہ ایسی ہی آہ ہے جیسے درد سے کراہنے والا شدتِ درد میں آہیں بھرتا چلا جاتا ہے۔ یا کسی شخص کو جنون ہو جائے تو وہ بے تحاشا گالیاں دینے لگ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں

اگر انسان دوسرے کے زخم کو دور کرنے کے بغیر یا اُس پر مرہم کا پھایا1 لگانے کے بغیر اُس کی آہوں کو دبانا چاہے یا ایک پاگل اور مجنون شخص کی گالیوں کو روکنا چاہے تو وہ آہیں اور وہ گالیاں کس طرح رُک سکتی ہیں۔ وہ آہیں پھر نکلیں گی، پھر نکلیں گی اور پھر نکلیں گی۔ اِسی طرح اگر بغیر جنون کا علاج کرنے کے کوئی شخص ایک مجنون اور پاگل کی گالیوں سے بچنا چاہے تو وہ بچ نہیں سکتا۔ ضرور ہے کہ اُس کو گالیاں ملیں اور ضرور ہے کہ وہ دکھ اٹھائے کیونکہ جنون کی موجودگی میں گالیوں کا ملنا ضروری ہے۔ اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا کہ "اُمہاتُ المؤمنین" کو ضبط کرانا اصل علاج نہیں ہے۔ بلکہ اصل علاج یہ ہے کہ اُن طریقوں کو اختیار کیا جائے جن پر چل کر اِس قسم کی لڑائیاں دور ہو سکتی ہیں۔ اور وہ طریق یہی ہے کہ جو مذہب سچا ہے اُس کو دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔ لوگوں کو دوسرے مذہب کے خلاف اِسی لیے غصہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ سنجیدگی سے غور کرنے کے عادی نہیں ہوتے۔ اگر بار بار اُن کے سامنے ایک سچائی کو پیش کیا جائے اور اُنہیں کہا جائے کہ اگر تمہارے مذہب میں بھی ایسی ہی سچائی پائی جاتی ہے تو اُس کو پیش کرو تو وہ اِس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ سچے مذہب کو اختیار کریں۔ اور یا پھر دوسری صورت اِن مذہبی جھگڑوں کے انسداد کی یہ ہو سکتی ہے کہ ہر مذہب کا پیرو صرف اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے، دوسروں پر حملہ کرنا اور اُن کی عیب چینی میں مشغول رہنا ترک کر دیا جائے۔ جب یہ طریق اختیار کیا جائے گا تو اِس کے نتیجہ میں اسلام کو فتح حاصل ہو گی۔ کیونکہ جب وہ اسلام کی خوبیاں دیکھ لیں گے اور جب وہ اپنے مذاہب کو ان خوبیوں سے بالکل خالی پائیں گے تو اُن کے دل اسلام کی صداقت پر مطمئن ہو جائیں گے اور وہ سمجھ جائیں گے کہ ان کی مخالفت کرنا صحیح نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں عیسائیوں اور ہندوؤں وغیرہ کے مجمع میں جب اسلام کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل بیان کیے جاتے ہیں، جب قرآن کریم کی خوبیاں پیش کی جاتی ہیں تو بعد میں کئی ہندو اور عیسائی یہ کہتے سُنے جاتے ہیں کہ ہمیں پتہ نہیں تھا اسلام ایسا اچھا مذہب ہے، ہمیں پتہ نہیں تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں یہ یہ کمالات پائے جاتے ہیں۔ جس کے دوسرے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ہم اس لیے گالیاں دیتے تھے کہ ہم سمجھتے تھے

اسلام بہت بُرا مذہب ہے اور ہم اِس لیے لڑتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نَعُوْذُ بِاللّٰہِ اچھے آدمی نہیں تھے۔ پس جو چیز اُن کی زبانوں اور اُن کے قلموں سے نکلتی ہے اُس کا موجب اُن کے دلی خیالات ہوتے ہیں۔ اگر ان خیالات کی اصلاح کر دی جائے، اگر اُن کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کی جائے اور اگر اُن کی غلط فہمیوں کو دور کیا جائے تو اُن کی زبان بھی اسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف کرنے لگ جائے اور اُن کے قلم بھی اِسی کام میں مشغول ہو جائیں۔

یہی حال حکومتوں کا ہوتا ہے اگر ان کے بُغض اور اُن کے کینہ کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ انہیں سختی سے دبا کر رکھا جائے، اُن کے حقوق کو تلف کر دیا جائے، اُن کی ترقی کے مواقع کو مسدود کر دیا جائے اور اُن کے ساتھ ذلت آمیز سلوک روا رکھا جائے تو اُن کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ یہ غالب اقوام موقع پا کر بڑھ گئی ہیں اب یہ نہیں چاہتیں کہ کوئی دوسری قوم ان سے بڑھ سکے۔ یہ احساس ہے جو اِس دباؤ کے نتیجہ میں لازمی طور پر پیدا ہوتا ہے۔ تم اِس احساس کو غلط کہو یا صحیح بہر حال جب تک یہ احساس موجود رہے گا، جب تک مغلوب اقوام کے دلوں میں یہ خیال رہے گا کہ بڑھنے والی قومیں یہ نہیں چاہتیں کہ روس کی جگہ جرمنی لے لے یا انگلستان کی جگہ جاپان لے لے اور یہ ہمیشہ دوسروں کو دبا کر اُن پر تسلّط اور غلبہ قائم رکھنا چاہتی ہیں اُس وقت تک ہر وہ تجویز جو امن کے قیام کے لیے کی جائے گی ناکام ثابت ہو گی، ہر کوشش رائیگاں جائے گی، ہر تدبیر بے اثر رہے گی۔ اور یہ خیال مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا کہ ہماری کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور ہمیں آگے بڑھنے سے محض اِس لیے روکا جاتا ہے کہ اس دَور میں بعض اَور قومیں آگے نکل چکی ہیں۔ چنانچہ جب بھی غالب اقوام کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ جنگ کے بعد ہم فیصلہ کریں گی کہ کس قوم کے کیا حقوق ہیں، ہم فیصلہ کریں گی کہ ان کو کیا کیا مراعات ملنی چاہییں اور ہم اِس امر کی نگرانی رکھیں گی کہ ان کے جائز مطالبات پامال نہ ہوں۔ تو دوسرے الفاظ میں اِس قسم کے اعلان کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ہم مائی باپ ہیں، ہم تمہارے حاکم ہوں گے۔ اور تم ہمارے محکوم ہو گے اور یہ وہ بات ہے جس کو دنیا کی کوئی آزاد قوم

برداشت نہیں کرسکتی۔

پس جو باتیں اِس وقت علاج کے طور پر پیش کی جا رہی ہیں وہ دنیا کے بُغض اور اُس کے کینہ کو اَور بھی بڑھانے والی ہیں۔ جس وقت اتحادیوں کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم اِس امر کی نگرانی رکھیں گے کہ چھوٹی چھوٹی قوموں کے حقوق کو کوئی اَور قوم تلف نہ کرے تو وہ حقارت کی ہنسی ہنستی ہیں کیونکہ وہ الائنز (Alliance) کے ماتحت نہیں ہیں۔ وہ قومیں اپنے آپ کو آزاد سمجھتی ہیں اور وہ اِس قسم کے اعلان کا سوائے اِس کے اَور کوئی مفہوم نہیں سمجھتیں کہ دنیا میں غالب اقوام کی طرف سے یہ اعلان کیا جارہاہے کہ آئندہ ہم اتالیق ہوں گی اور تم ہماری زیر نگرانی رہنے والے شاگرد ہوگے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو فتنہ وفساد کی آگ کو اَور بھی بھڑکانے والی ہے۔ پس یہ علاج جو آج تجویز کیا جارہاہے خطرات کو بڑھانے والا اور فتنہ وفساد کی آگ کو اَور بھی ہوا دینے والا ہے۔ جب تک لوگوں کے دلوں میں غیرت باقی ہے، جب تک لوگوں کے دلوں میں حُبُّ الْوطنی کا جذبہ باقی ہے، جب تک لوگوں کے دلوں میں انسانی شرافت کا احساس باقی ہے۔ اُس وقت تک بنی نوع انسان لازمی طور پر کسی ایسے نظام میں جکڑا جانا پسند نہیں کرسکتے جس نظام کو وہ اپنی خوشی اور مرضی سے اپنے لیے قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔ یہ ایک صاف اور سیدھی بات ہے اور انسانی فطرت کے اس جذبہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ چاہے کوئی عیسائی ہو، ہندو ہو، سکھ ہو، کوئی ہو، کسی مخالف سے مخالف کے سامنے بھی یہ بات بیان کی جائے تو مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ اِس کو ماننے سے انکار کرسکے کہ انسان اُسی نظام پر تسلی پاتا ہے جس نظام کو اُس نے خود چُنا ہو یا جس کے چُننے میں اُس کا ہاتھ ہو۔ دنیوی باتوں کو جانے دو نماز جو ایک شرعی فرض ہے اِسی کے متعلق مَیں نے خود بعض لوگوں کی زبان سے یہ فقرہ سنا ہے کہ جب اُن سے کہا گیا کہ آؤ اور نماز پڑھ لو تو اُنہوں نے اِس غصہ میں کہ یہ کون ہیں نماز کی تحریک کرنے والے۔ یہاں تک کہہ دیا کہ جاؤ ہم نماز نہیں پڑھتے۔ نماز پڑھنی ہوگی تو ہم خود پڑھ لیں گے تم کون ہو جو ہماری نمازوں میں دخل دیتے ہو۔ اب دیکھو! نماز ایک ایسا فرض ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے مگر جب اِس فرض کی طرف بعض لوگوں کو توجہ دلائی جاتی ہے تو محض توجہ دلانے پر ہی وہ بگڑ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ

نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کا میرے اور میرے خدا کے درمیان واسطہ ہے اِس میں کوئی دوسرا کیوں دخل دے رہا ہے۔ اگر نماز جیسی چیز پر لوگ چِڑ جاتے اور غصہ میں آجاتے ہیں تو وہ ملکی نظام اپنے لیے کس طرح برداشت کر سکتے ہیں جس میں اُن کا کوئی دخل نہ ہو، جس نظام کو جاری کرنے میں اُن کا کوئی ہاتھ نہ ہو اور جس نظام کے ساتھ اُن کی رضامندی شامل نہ ہو بلکہ دوسروں کا یہ اختیار ہو کہ وہ آئیں اور فیصلہ کریں۔ ہاں جو نظام پہلے سے جاری ہو اور جس میں انسان ایک دفعہ شامل ہو چکے ہوں اُس نظام کی پابندی کرنا انسان کے لیے ضروری ہوتا ہے اور اُس کا کوئی حق نہیں ہوتا کہ وہ اُس کے خلاف آواز بلند کرے۔ مثلاً ہندوستان انگریزوں کے ماتحت ہے۔ یہ بحث کرنا کہ ہندوستان پر انگریزوں نے کیوں قبضہ کیا، اُن کا کیا حق تھا کہ وہ ہندوستانیوں پر حکومت کرتے بالکل فضول اور لغو ہے۔ ہندوستان بہر حال انگریزوں کے ماتحت ہے۔ یہ الگ سوال ہے کہ وہ انگریزوں کے ماتحت کس طرح آیا اِس میں ہندوستانیوں کا اپنا قصور تھا یا انگریزوں کا۔ بہر حال ہندوستان انگریزوں کے ماتحت ہے۔ ہندوستان اُس نظام کو قبول کر چکا ہے جو انگریزی نظام ہے اور جب ہندوستان انگریزوں کے ماتحت ہے تو لازماً انگریزوں کو ہندوستان کے متعلق کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا۔ ہندوستانیوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کہیں کہ انگریزوں نے اُن کے ملک پر کیوں قبضہ کیا یا اُن کے حقوق کا فیصلہ کرنے کا انگریز کیا اختیار رکھتے ہیں۔ مگر آزاد حکومتیں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتیں کہ اُن پر حکمرانی جتائی جائے اور اُن کے حقوق کے تصفیہ کے لیے یہ قومیں آگے بڑھیں اور ہمیشہ اُن کو اپنے ماتحت رکھنے کی تدابیر عمل میں لائیں۔ آزاد قوموں پر اُن قوانین کا جاری کرنا جو ماتحت اور مفتوح قوموں پر جاری کیے جاتے ہیں فتنہ و فساد کی نئے سرے سے بنیاد رکھنا ہے۔ اور اگر موجودہ جنگ کے بعد اِس بہت بڑے نقص کو دور کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو لازماً ایک نئی لڑائی کی بنیاد قائم ہو جائے گی۔ اور اگر یہ قومیں خود مقابلہ کے لیے نہیں اُٹھ سکیں گی تو دوسروں کو لڑائی کے لیے اکسائیں گی۔ دوسروں کو جنگ کے لیے برانگیختہ کریں گی اور اِس طرح ایک نئی جنگ کا دروازہ کھول کر اپنے بُغضوں اور کینوں کو نکالنے کی کوشش کریں گی۔ دنیا میں مظلوم کا یہی طریق ہوا کرتا ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے مَیں خود انتقام لینے سے قاصر ہوں،

میرے اندر ایسی طاقت نہیں کہ ظلم کا بدلہ لے سکوں تو وہ کسی دوسرے کو اُکسا کر اپنے جذبۂ انتقام کو فرو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

مجھے اِس بارہ میں ایک قریب کا تجربہ ہے۔ ہم ایک دفعہ موٹر میں جا رہے تھے کہ ایک پولیس افسر نے ہمارے ڈرائیور کو دِق کیا۔ میرے خیال میں بھی اُس افسر کا رویہ ناجائز تھا۔ کیونکہ بعض باتیں مَیں نے خود دیکھی تھیں اور مَیں سمجھتا تھا اُس افسر نے دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ مگر ایک ڈرائیور کی یہ طاقت کہاں ہوتی ہے کہ وہ انسپکٹر کا مقابلہ کر سکے۔ پولیس افسر نے جب اُسے ناجائز طور پر دِق کیا تو اُسے بہت غصہ آیا کیونکہ اُس پر ناجائز الزام لگایا گیا تھا اور مَیں بھی اِس بات کا گواہ تھا مگر وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گیا اور اپنی کمزوری کی وجہ سے اُس افسر کے مقابلہ میں کچھ کہہ نہ سکا۔ کچھ دور جانے کے بعد اسی افسر نے ایک اَور موٹر والے کو اِسی طرح دِق کیا۔ اُس موٹر میں ایک کرنیل سوار تھا۔ ہم بھی اُس وقت اُسی جگہ سے گزر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر موٹر ڈرائیور مجھے کہنے لگا آپ مجھے اجازت دیں کہ مَیں اِس جگہ موٹر ٹھہرا کر اس کرنیل سے تھوڑی دیر کے لیے بات کر لوں۔ مَیں نے اُسے کہا کہ تمہارا اُس سے کیا واسطہ ؟ مگر وہ کہنے لگا آپ اجازت دے دیں۔ یہ پولیس افسر اِسی طرح دِق کیا کرتا ہے اور اِس کا علاج کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ میری اجازت پر اُس نے کرنیل کی گاڑی کے آگے اپنی گاڑی کھڑی کر لی جس پر اُسے بھی ٹھہرنا پڑا اور پھر اُس نے نیچے اُتر کر کرنیل کو خوب اکسایا کہ یہ افسر اِسی طرح ہر موٹر ڈرائیور کو دِق کیا کرتا ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کرنیل نے منزل پر پہنچ کر پولیس افسر کو خوب گالیاں دیں۔ تو دیکھ لو اُس نے اپنا بدلہ لیا۔ مگر اِس رنگ میں کہ ایک طاقتور شخص کو اُس نے دوسرے کے خلاف اکسا دیا۔ اس میں خود یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ ظالم افسر سے بدلہ لے سکتا مگر چونکہ وہ ہوشیار تھا اِس لیے اس نے انتقام لینے کا یہ طریق سوچا کہ کسی طاقتور شخص کو اُس کے خلاف بھڑکا دوں۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اور اپنا انتقام اس افسر سے لے لیا۔

اِسی طرح اگر اِس قسم کے فساد جاری رہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جرمنی اور جاپان وغیرہ سے کوئی امریکہ سے مل جائے گا، کوئی روس سے مل جائے گا، کوئی انگریزوں سے مل جائے گا

اور جس طرح درباری خوشامدیوں کا طریق ہوتا ہے وہ بات بات پر کہیں گے کہ دیکھیے آپ کے فلاں کام میں امریکہ نے دخل دے دیا حالانکہ امریکہ کا کیا حق تھا کہ وہ اِس میں دخل دیتا۔ امریکہ کو کہیں گے فلاں کام میں انگریزوں نے مداخلت کر دی ہے حالانکہ انگریزوں کا کوئی حق نہ تھا کہ وہ مداخلت کرتے۔ اِسی طرح کوئی پارٹی روس سے جاملے گی اور اُسے انگریزوں اور امریکنوں کے خلاف اکساتی رہے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ فساد کی روح بڑھ جائے گی اور پھر دنیا ایک خطرناک جنگ کی لپیٹ میں آجائے گی۔ یہ خیال کرنا کہ اتحادی جس طرح آج مل کر لڑ رہے ہیں۔ اِسی طرح ہمیشہ ان میں اتحاد رہے گا بیوقوفی کا خیال ہے۔ اگر فتنہ وفساد کی اِس روح کو کچلا نہ گیا اور مفتوح قوموں کی مختلف پارٹیاں امریکہ اور روس اور انگلستان سے جاملیں اور ان طاقتوں کو اُنہوں نے ایک دوسرے کے خلاف اکسانا شروع کر دیا تو ابھی ایک سال بھی نہیں گزرے گا کہ آپس میں اختلاف شروع ہو جائے گا۔ اور جب سیاسی معاملات میں حکومتوں کا آپس میں اختلاف شروع ہوتا ہے تو اُس وقت کچھ لوگ تو سنجیدگی سے معاملات پر غور کرتے ہیں مگر کچھ جوشیلے لوگ ہوتے ہیں وہ اُسی وقت مقابلہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں ملک کے لوگوں کی کیا طاقت ہے کہ ہمارے مقابلہ میں اٹھ سکیں۔ ہم کل تک ان کی مدد کرتے رہے تھے اور آج وہ ہمارے خلاف کھڑے ہو گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپس میں سر پھٹول شروع ہو جاتی ہے۔

حقیقی امن ہمیشہ دل کی صفائی سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جب تک ایسے طریق اختیار نہیں کیے جائیں گے جو امن کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے والے ہوں اُس وقت تک محض جنگ کی علامات کو دبا دینا قطعاً کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ ہم اِس بات کے قائل ہیں کہ مجرم کو سزا ملنی چاہیے۔ ہم انجیلی تعلیم کی طرح ہرگز اِس بات کے قائل نہیں ہیں کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو اُس کی طرف دوسری گال بھی پھیر دینی چاہیے۔2 مگر ہم اِس کے ساتھ ہی اِس بات کے بھی قائل ہیں کہ سزا میں محبت کا جذبہ ہونا چاہیے۔ عداوت اور بغض اور کینہ سزا دیتے وقت دل کے کسی گوشہ میں بھی نہیں ہونا چاہیے۔ جب حضرت مسیحؑ نے اپنے حواریوں سے کہا کہ خدا محبت ہے3 تو درحقیقت اُنہوں نے سچ کہا اور اُنہوں نے اِسی نظریہ کو

لوگوں کے سامنے پیش کیا کہ عفو اور سزا دونوں کی بنیاد محبت پر ہونی چاہیے۔ جب تم عفو کرو تب بھی محبت اس کا باعث ہو اور جب تم کسی قصور پر مجرم کو سزا دو تب بھی اس کا باعث صرف محبت ہو۔ اسلام بھی یہی کہتا ہے کہ تم محبت سے عفو کرو یا محبت سے سزا دو۔ محبت ہی اصل چیز ہے۔ اور یہی تمہارے تمام کاموں کی بنیاد ہونی چاہیے۔ جب تم سزا دو تب بھی اصلاح مد نظر رکھو اور جب تم عفو سے کام لو تب بھی اصلاح مد نظر رکھو۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔4 پس اسلام سزا میں بھی اصلاح کا پہلو مد نظر رکھتا ہے اور عفو میں بھی اصلاح کا پہلو مد نظر رکھتا ہے۔ گویا اسلام میں عفو بھی اُس وقت تک جائز نہیں جب تک جذبۂ محبت اور جذبۂ اصلاح عفو کے پیچھے کام نہ کر رہا ہو۔ ایک شخص کسی جگہ ڈاکہ ڈال کر آتا ہے اور وہ اِس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ اُسے سزا دی جائے مگر وہ افسر کی خوشامد شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے معاف کر دیا جائے۔ اُس وقت اگر وہ افسر یہ جانتے ہوئے اُسے معاف کر دیتا ہے کہ اگر مَیں نے اسے معاف کیا تو یہ یہاں سے اٹھتے ہی کسی اَور جگہ ڈاکہ ڈالے گا اور لوگوں کا مال و اسباب لُوٹ لے گا اور اُن کی جانوں کو نقصان پہنچائے گا تو اُس کا عفو بزدلی کی علامت ہو گا، کمزوری کی علامت ہو گا، ناجائز خوشامد کا نتیجہ ہو گا جس سے وہ اپنی جبلّی طبیعت کے ماتحت متاثر ہوا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اُس نے جذبۂ محبت کے ماتحت عفو سے کام لیا ہے کیونکہ اُس نے عفو اصلاح کی وجہ سے نہیں کیا، محبت کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ اُس نے عفو بزدلی کی وجہ سے کیا، اُس نے عفو خوشامد کی وجہ سے کیا اُس نے عفو طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے کیا۔ لیکن اگر وہ اِس لیے دوسرے کو معاف کرتا ہے کہ اُس کی اصلاح ہو چکی ہے تو اُس کے متعلق بے شک یہ کہا جاسکے گا کہ اُس نے جذبۂ محبت کے ماتحت دوسرے کو معاف کیا۔

پس ہماری شریعت کا یہ حکم ہے کہ عفو بھی جذبۂ اصلاح کے ماتحت ہونا چاہیے اور سزا بھی جذبۂ اصلاح کے ماتحت دینی چاہیے۔ اور چونکہ جنگ کے حالات ایسی صورت اختیار کر رہے ہیں جب یہ خطرہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے کہ اتحادی اپنی فتح اور غلبہ کے گھمنڈ میں مفتوح اقوام پر ناجائز دباؤ نہ ڈالیں اور اُنہیں ان کے جائز حقوق سے محروم کر کے ایک نئی جنگ کی

بنیاد نہ رکھ دیں اِس لیے ہماری جماعت کو آجکل خصوصیت سے یہ دعائیں کرنی چاہییں۔ اللہ تعالیٰ اتحادیوں کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ انصاف سے کام لیں اور کوئی ایسا فیصلہ نہ کریں جو امن کو برباد کرنے والا یا آئندہ کسی نئی جنگ کی آگ میں دنیا کو جھونکنے والا ہو۔ ہم ذاتی طور پر بھی یہ پسند نہیں کر سکتے کہ یہ جنگ ایسی صورت میں ختم ہو کہ پھر ایک نئی جنگ کی ابھی سے بنیاد قائم ہو جائے۔ ہم نے اِس جنگ کے لیے بہت بڑی قربانیاں کی ہیں اور ہماری خواہش یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انگریزوں کو فتح دے اور اس کے ساتھ ہی انہیں اِس بات کی بھی توفیق عطا فرمائے کہ وہ عدل و انصاف سے کام لیں اور ناجائز دباؤ ڈال کر لوگوں کے دلوں میں بُغض و عداوت کی آگ کو نہ بھڑکائیں۔ جہاں تک لڑائی کا سوال ہے ہمیں اِس بات کا یقین ہے کہ جرمنی وغیرہ ظالم تھے اور انہوں نے بِلاوجہ جنگ کی۔ اِسی بناء پر ہم انگریزوں کی مدد کرتے رہے ہیں اور اِن کی کامیابی کے لیے ہم نے دعائیں بھی کیں۔ لیکن اِس کے مقابلہ میں ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اگر وہ رویہ اختیار کیا گیا جس کے آثار ابھی سے ظاہر ہو رہے ہیں تو یہ لڑائی جاری رہے گی۔ چاہے جرمنی اور جاپان مقابلہ میں نہ کھڑے ہوں۔ مگر اَور کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں وغیرہ کو لڑائی کے لیے آگے آنا پڑے گا۔ بے شک لڑنے والے ہاتھ اَور ہوں گے مگر وہی بم ہوں گے جو آجکل استعمال کیے جاتے ہیں۔ وہی جہاز ہوں گے جن سے آجکل کام لیا جاتا ہے۔ وہی توپیں اور مشین گنیں ہوں گی جن سے آجکل ہلاکت برپا کی جاتی ہے اور پھر دنیا ایک ہولناک تباہی کے کناروں پر کھڑی ہو جائے گی۔ اِتنی بڑی لڑائی اور اِتنی بڑی خونریزی کے بعد جو موجودہ جنگ میں ہوئی ہے جلد ہی دنیا کا ایک اَور جنگ کے لیے تیار ہو جانا ایک ایسا خیال ہے جو انسانی جسم کو کپکپا دیتا ہے۔ اِس لیے خدا تعالیٰ کے حضور ہمیں خاص طور پر دعائیں کرنی چاہییں کہ اللہ تعالیٰ اتحادیوں کو اِس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ صرف لڑائی کی علامات کو ہی نہ دبائیں بلکہ لڑائی کے اسباب کو بھی دور کرنے کی کوشش کریں۔ اگر اِس جنگ کے بعد اتحادیوں نے اپنی غلطی سے لڑائی کے حقیقی اسباب کو دور کرنے کی کوشش نہ کی اور مفتوح قوموں پر ناجائز دباؤ سے کام لیا تو جلد یا پندرہ بیس سال کے بعد جب ہم میں سے بہت سے لوگ چل بسے ہوں گے پھر ہماری اولادوں کو ایک نئی مصیبت پیش آئے گی۔ پھر انہیں جنگ کی

ہولناکیوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ پھر انہیں لوگوں کے سامنے لیکچر دینے پڑیں گے کہ جاؤ اور میدانِ جنگ میں اپنی جانیں قربان کرو۔ جاؤ اور اپنے آپ کو قوم اور ملک کی حفاظت کے لیے فنا کر دو۔ آخر وہ کیوں اپنی جانیں قربان کریں اور کیوں اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کریں۔ اگر کسی نہ کسی رنگ میں اِس قربانی سے محفوظ رہ سکتے ہوں۔ بے شک جب مصیبت سر پر آجاتی ہے اُس وقت ہر قسم کی قربانی کے لیے انسانوں کو تیار ہونا پڑتا ہے لیکن اگر کسی آنے والی مصیبت کو روکا جاسکے، اگر حکمت عملی سے کام لے کر تباہی کے دروازہ کو بند کیا جاسکے تو وجہ کیا ہے کہ ابھی ایک نسل اپنی قربانی سے فارغ بھی نہیں ہوئی کہ پھر پھانسی کا پھندا دوسری نسل کے لیے تیار ہو جائے۔ پھر گولیاں اُن کے سینہ کو چھلنی کرنے کے لیے تیار ہونی شروع ہو جائیں اور پھر تباہی اُور بربادی ان کو اپنا لقمہ بنانے کے لیے منہ کھولے کھڑی ہو۔ پس اگر اس تباہی کو روکا جاسکتا ہو تو ہمارے لیے اِس کا روکنا نہایت ضروری ہے تاکہ ہماری آئندہ نسل اِس مصیبت سے محفوظ رہے اور اسے اپنی جانوں کی قربانی نہ کرنی پڑے۔ مگر یہ کام ایسا ہے جس کو سرانجام دینے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ہم دوسروں کو صرف نصیحت کر سکتے ہیں اور یا پھر اللہ تعالیٰ سے ہم دعا کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے فضل سے فاتحین کی آنکھیں کھولے، ان کے دماغوں کو روشنی بخشے، ان کے دلوں کو ہر قسم کے بُغض اور کینہ سے پاک کرے اور ان کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ پھر کسی تیسری جنگ کی بنیاد اپنے ہاتھوں نہ رکھ دیں۔ تا ایسا نہ ہو کہ بیس پچیس سال کے بعد پھر قومیں ایک دوسری سے برسرپیکار ہوں اور پھر دنیا ہلاکت کے گڑھے میں گر جائے۔ جس طرح پہلی جنگ سے اس دوسری جنگ میں بہت زیادہ خونریزی ہوئی ہے۔ اِسی طرح یہ ایک یقینی بات ہے کہ اگر اِس جنگ کے بعد تیسری جنگ ہوئی تو وہ اِس دوسری جنگ سے بہت زیادہ خطرناک ہوگی۔

یہ خیال بھی کسی قوم کے افراد کو اپنے دلوں میں نہیں لانا چاہیے کہ جب ہم لوگوں سے توپیں چھین لیں گے، تلواریں چھین لیں گے، ہوائی جہاز چھین لیں گے، بم چھین لیں گے، اِسی طرح ان کی فیکٹریوں اور کارخانوں وغیرہ پر قبضہ کر لیں گے تو اِس کے بعد لڑائی کے لیے ان کے پاس کونسی چیز باقی رہ جائے گی۔ کیونکہ ایجادات کا سلسلہ دنیا میں جاری ہے اور اِس وجہ

سے یہ نہیں کہاجاسکتا کہ اگر ان ہتھیاروں کو چھین لیا گیاتو اِس کے بعد لڑائی کے لیے کسی نئی چیز کی ایجاد نہیں ہوسکے گی۔ گزشتہ جنگ میں توپوں کی کثرت تھی اور خیال کیا جاتا تھا کہ اگر کسی قوم سے توپیں لے لی جائیں تو وہ لڑائی کے ناقابل ہو جاتی ہے مگر اس کے بعد ہوائی جہاز نکل آئے۔ اور اب موجودہ جنگ میں تو فلائنگ بم کی ایجاد سے خطرہ بہت بڑھ گیاہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دنیا کے امن کو برباد کرنے والی ایک خطرناک ایجاد ہے جو نبی نوع انسان کو توپوں اور ہوائی جہازوں سے بھی بڑھ کر نقصان پہنچاسکتی ہے۔ جب آج تک ایجادات کا سلسلہ جاری رہااور جنگ کے اسلحہ میں روز بروز اضافہ ہو رہاہے توکسی کو کیا پتہ کہ کل کوئی ایسی گیس نکل آئے جس کا لوگوں کو علم بھی نہ ہو اور وہ آناً فاناً اُن کو ہلاک کر دے۔ پس یہ بالکل احمقانہ بات ہو گی اگر یہ خیال کر لیا جائے کہ فلاں ملک کو ہم نے مغلوب کر لیا ہے، وہ ایک چھوٹا سا ملک ہے، چند لاکھ اُس کی آبادی ہے، ہتھیار اُس سے چھین لیے گئے ہیں اور اب وہ ہمارے خلاف لڑائی کے لیے کبھی کھڑا نہیں ہو سکتا۔ جب دلوں میں بُغض اور کینہ موجود ہو اور لوگوں کے اندر یہ احساس ہو کہ ہم نے دوسری قوم سے انتقام لینا ہے تو وہ ایسے ہتھیار ایجاد نہیں کرتے جن کے کارخانے لوگوں کو نظر آتے ہوں۔ بلکہ وہ اِس قسم کے ہتھیاروں کے بنانے میں مشغول ہو جاتے ہیں جن کے کارخانے نظر نہیں آتے اور اِس طرح باوجود ہتھیار بنانے کے وہ پکڑے نہیں جاتے۔ پس ممکن ہے جب مغلوب اقوام یہ دیکھیں کہ ہمیں ایسے ہتھیار بنانے نہیں دیئے جاتے جن کے کارخانے نظر آتے ہوں تو وہ کہیں آؤ ہم ایسی گیسیں دریافت کرنے میں لگ جائیں جو ملک کے ملک کو ایک لمحہ میں فنا کر دیں۔ پچھلی ایجادات سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے دنیا میں ایجادات کا وسیع سلسلہ رکھا ہوا ہے۔ پس ممکن ہے اِس غصہ اور بُغض اور کینہ کے نتیجہ میں کوئی قوم کسی خطرناک گیس کے تیار کرنے میں کامیاب ہو جائے جو ملکوں کے ملک ایک آن میں تباہ کر سکتی ہو۔ اور اگر ایسی گیس ایجاد ہوگئی تو پھر سوائے اِس کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا کہ ایک دن جب دنیا سو کر اُٹھے گی تو آدھی دنیا فنا ہو چکی ہو گی اور آدھی دنیا خوف سے کانپ رہی ہو گی۔ پس یہ ایک خطرناک رَو ہے جس کو روکنا ہماری جماعت کے لیے نہایت ضروری ہے اور دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اِن دنوں

خصوصیت سے اُسی طرح دعائیں کریں جس طرح میری ہدایت کے ماتحت وہ اِس جنگ کے شروع میں دعائیں کرتے رہے ہیں۔ پہلے میری ہدایت یہ تھی کہ جماعت کے دوست یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انگریزوں اور اُن کے ساتھیوں کو موجودہ جنگ میں فتح دے۔ اُن دعاؤں کے نتیجہ میں یہ فتح خدا تعالیٰ کے فضل سے آچکی ہے۔ مگر اب ہمارے لیے یہ دعائیں کرنا نہایت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ انگریزوں اور اُن کے ساتھیوں کو ایسی فتح عطا فرمائے جس کے نشہ میں مخمور ہو کر وہ کوئی ایسی بنیاد قائم نہ کر دیں جس کے نتیجہ میں پھر جنگیں ہوں، پھر لڑائیاں ہوں، پھر مصیبتیں اور آفتیں نازل ہوں۔ بیشک یہ کام بہت مشکل ہے مگر اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں حاصل ہیں اور وہ اگر چاہے تو اپنے فضل سے اِس مشکل مرحلہ کو بھی طے کر سکتا ہے۔ جہاں تک اِس جنگ کے متعلق مجھے رؤیا ہوئے ہیں اور جہاں تک قرآن کریم اور احادیث کی پیشگوئیوں کا تعلق ہے اُن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اِس بات کا سخت خطرہ ہے کہ اِس دوسری جنگ کے اختتام پر تیسری جنگ کی بنیاد ڈال دی جائے گی اور وہ تیسری جنگ اِس دوسری جنگ سے زیادہ خطرناک ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضلوں پر بھروسہ کرتے ہوئے ہماری دعا اُس سے یہی ہے کہ وہ لوگوں کی غلطیوں کو معاف کرے اور اِنہی دو جنگوں کو لوگوں کی اصلاح کے لیے کافی سمجھ لے۔ لیکن اگر اُس کی مشیّت کے ماتحت ایک تیسری جنگ بھی آنے والی ہے تو اللہ تعالیٰ اُس وقت تک ہماری جماعت کو اِتنی طاقت عطا فرما دے کہ وہ آنے والی جنگ کے بد اثرات ہمیشہ کے لیے دور کر سکے"۔ (الفضل 2/جنوری 1945ء)

---

1 : پھایا: پھاہا: کپڑا جس پر مرہم رکھ کر زخم پر چپکاتے ہیں۔

2 : متی باب 5 آیت 40

3 : 2۔ کرنتھیوں باب 13 آیت 11

4 : الشوریٰ: 41